الطاف احمد اعظمی

سید احمد شہید کی تحریک جہاد کی ناکامی

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اٹھارہویں صدی ہندی مسلمانوں کے سیاسی زوال کے آغاز کی صدی ہے۔ اس دور زوال میں شاہ ولی اللہ کی پیدایش بلاشبہ ایک اعجوبہ تھا۔ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ہمہ گیر زوال کو روکنے کی جو کوششیں کیں وہ زیادہ تر نظری اور علمی نوعیت کی تھیں، یعنی قرآن وحدیث کے علوم ومعارف کی تعلیم واشاعت وغیرہ۔ انھوں نے اپنی کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' میں 'فك كل نظام' یا دوسرے لفظوں میں غلبۂ اسلام کا جو انقلابی تصور دیا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے متعدد وجوہ سے وہ کوئی عملی اقدام نہ کر سکے۔ لیکن آگے چل کر ان کی علمی تصانیف نے ایسے اصحاب دل و دماغ پیدا کر دیے جو انقلابی کام کے لیے موزوں تھے۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقا کا تعلق اسی گروہ سے تھا۔

سید احمد شہید نے جس وقت تحریک جہاد شروع کی ہندوستان کے بڑے حصے پر انگریز قابض ہو چکے تھے، صرف چند مقامات تھے جہاں ابھی ان کے اقتدار کی تکمیل باقی تھی۔ انھی مقامات میں سے پنجاب کا صوبہ بھی تھا جہاں سکھ قوم اپنے ایک لیڈر رنجیت سنگھ کی قیادت میں برسر اقتدار تھی۔ سید صاحب کی تحریک جہاد کا رخ اسی گروہ کی طرف تھا۔

اس میدان جہاد کے انتخاب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ پنجاب اور سرحد کے مسلمان سکھوں کے توہین آمیز مظالم، اسلامی شعائر کی بے حرمتی اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ کی وجہ سے سخت ذہنی اور نفسیاتی اذیت میں مبتلا تھے اور کسی نجات دہندہ کے منتظر تھے۔ چنانچہ سید صاحب نے مسلمانوں کو اس ذلت سے نجات دلانے کا فیصلہ کیا اور اس کام کے لیے پوری طرح مستعد ہو گئے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت سید احمد شہید، حصۂ اول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، لکھنؤ ۱۹۸۶ء۔

سید صاحب کی غیر معمولی شخصیت، ان کے بعض رفقا بالخصوص مولانا عبدالحئ اور مولانا سید اسماعیل شہید کے علم و فضل اور جوش خطابت کی وجہ سے تحریک جہاد کو نہایت قلیل وقت میں زبردست تائید وحمایت حاصل ہوئی اور مخلص و دین دار مسلمانوں کا ایک جتھا سکھوں سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق اس جہادی لشکر کا ہر فرد زہد و تقویٰ کے اعتبار سے بلند درجہ رکھتا تھا۔ ''دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اور رات کو جاے نماز پر ہوتے تھے۔ خدا سے ڈرنے والے، آخرت کے حساب کو یاد رکھنے والے اور ہر حال میں راستی پر قائم رہنے والے تھے[2]۔'' اس تحریک کے قائدین بھی علم و تقویٰ کا پیکر اور قرن اول کے مسلمانوں کی پاکیزہ زندگی کا نمونہ تھے۔

لیکن ان تمام روحانی اوصاف ومحاسن کے باوجود تحریک جہاد ناکام ہو گئی۔ متعدد اہل علم نے اس ناکامی سے بحث کی ہے اور اس کے اسباب بیان کیے ہیں۔ لیکن راقم سطور کے خیال میں ناکامی کے بعض وجوہ اب بھی تشنۂ تحریر ہیں۔ عام طور پر مورخین نے تحریک جہاد کی ناکامی کے جو وجوہ بیان کیے ہیں وہ، گو کہ اہم ہیں، زیادہ تر خارجی نوعیت کے ہیں، مثلاً نفاذ شریعت میں تعجیل اور بعض قبائلی رسوم کی مخالفت وغیرہ[3]۔ انھوں نے داخلی اسباب سے بالعموم تعرض نہیں کیا ہے حالاں کہ ان کی تفہیم کے بغیر ناکامی کی صحیح توجیہ ممکن نہیں ہے۔ اگلی سطروں میں ہم پہلے ناکامی کے خارجی اسباب اور اس کے بعد داخلی اسباب سے بحث کریں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ابتدا میں سرحدی مسلمانوں نے سید صاحب کا ساتھ اس لیے دیا کہ وہ ان کو عالم، متقی اور خدا ترس سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ سکھوں کے مظالم سے ان کو نجات دلائیں گے۔ گویا انھوں نے سید صاحب کا استقبال امیر جہاد کی حیثیت سے کیا تھا نہ کہ حاکم ریاست کی حیثیت سے۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

> ''یہ حقیقت ٹھیک ٹھیک ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سید صاحب اس امامت کے بعد صرف کاروبار جہاد کی تنظیم کے مختار بنے تھے، رؤسا و خوانین کے عام امور ریاست سے انھیں کوئی تعلق نہ تھا[4]۔''

لیکن بعد کے واقعات سے، جن میں نفاذ شریعت کا معاملہ بہت اہم ہے، قبائلی سرداروں نے گمان کیا کہ سید صاحب نفاذ شریعت کی آڑ میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ گمان غلط نہ تھا۔ نفاذ شریعت کا صریح مطلب امور ریاست میں مداخلت تھا۔ چنانچہ بیعت امامت کے بعد ان کے مقرر کردہ افراد نہ صرف لوگوں

---

[2] تجدید واحیاے دین، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، دارالسلام جمال پور، پٹھان کوٹ پنجاب (چوتھا ایڈیشن) ۷۱۔

[3] موج کوثر، شیخ محمد اکرام، لاہور (آٹھواں ایڈیشن) ۱۹۶۸، ۳۱، ۳۲۔

[4] سید احمد شہید حصۂ اول، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۳۷۴۔

سے عشر وصول کرتے تھے، بلکہ خلاف شریعت کاموں پر ان کو سزائیں بھی دیتے تھے۔[5]

حقیقت یہ ہے کہ اہل سرحد کی ایمانی حالت اس وقت شریعت کے اس بار گراں کی متحمل نہ تھی۔ ان کی اکثریت، جن میں سرداران قبائل بھی شامل تھے، احکام شریعت کی تعمیل بالخصوص عشر کی ادائیگی کے لیے تیار نہیں تھی۔ چنانچہ نوا کلئی اور شیخ جانا کے لوگوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ فرماں برداری کے لیے تیار ہیں، لیکن انھیں عشر سے معاف رکھا جائے۔[6] احمد خان کمال زئی نے بھی اداے عشر سے انکار کیا اور جنگ مروان پیش آئی۔[7] عشر کے معاملے میں ان کا توحش اس حد تک تھا کہ عنایت اللہ خاں، رئیس الاڈنڈ نے مولانا اسماعیل سے دوران گفتگو میں صاف کہہ دیا کہ ''اگر آپ نے ہم پر عشر نافذ کر دیا تو اس ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری زمین پر چلے جائیں گے۔''[8]

اس معاملے میں سرحدی علما نے بھی قبائلی سرداروں کا ساتھ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عشر اور دوسرے ناموں سے جو تھوڑی بہت رقم نکالی جاتی تھی وہ ملاؤں کو ملتی تھی اور وہی ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ نفاذ شریعت کے بعد وہ اس کے حق دار نہ تھے کہ عشر از روے فقہ صرف امام ریاست کا حق ہے۔[9] مزید براں قبائل میں ایک رسم یہ تھی کہ ایک بھاری رقم لے کر لڑکیوں کی شادی کی جاتی تھی، جس کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں بڑی عمر تک گھروں میں بیٹھی رہ جاتی تھیں۔[10] یہ رسم دختر فروشی کے مترادف تھی۔ نفاذ شریعت کے ساتھ ہی اس غیر اسلامی رسم کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس حکم کو سرحدی مسلمانوں نے پسند نہیں کیا۔[11]

سید صاحب کے بعض رفقا کا غیر حکیمانہ طرز عمل بھی موجب فتنہ بنا۔ انھوں نے نفاذ شریعت میں تشدد سے کام

---

۵ سید احمد شہید، حصۂ دوم، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۲۸۶۔

۶ سید احمد شہید، حصۂ دوم، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۲۱۷۔

۷ سید احمد شہید، حصۂ دوم، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۲۲۷۔

۸ سید احمد شہید، حصۂ دوم، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۲۸۸۔

۹ سید احمد شہید، حصۂ دوم، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۲۱۲، ۲۱۳، مزید دیکھیے: موج کوثر، ۳۰۔

۱۰ سید احمد شہید، حصۂ دوم، غلام رسول مہر، کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۵۲، ۲۱۲، ۲۱۳، مزید دیکھیے: موج کوثر، ۵۶۔

۱۱ رسم دختر فروشی کے خاتمہ کے ساتھ ہی بارہ دن کے اندر بالغ افغان لڑکیوں کی شادی کا حکم دیا گیا۔ (دیکھیے: تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت مؤلفہ: سید ہاشمی فرید آبادی، پاکستان، کراچی ۱۹۵۳ء، ۲۹۷) بہت سی افغان لڑکیاں ہندی مجاہدین سے بھی منسوب ہوگئیں۔ افغانوں کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ ان کی لڑکیوں کی شادی جبراً اور وہ بھی غیر افغانوں سے ہو۔ دیکھیے: سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۲۸۲، ۲۹۲، ۳۲۶۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

لیا۔ باپ دادا کے رسوم پر چلنے والوں کو کافر قرار دیا گیا[۱۲]۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹی نے سید صاحب سے شکایت کی کہ ''مجھے جس بستی میں اترنے کا اتفاق ہوا وہاں کے لوگوں کو قاضیوں کا شکوہ گزار پایا۔ وہ بعض اوقات معمولی خطاؤں پر زیادہ جرمانہ لیتے ہیں[۱۳]۔''

انھی اسباب سے سرحدی مسلمان بالخصوص اہل سمہ تحریک جہاد کے خلاف ہو گئے اور قاضیوں اور عشر وصول کرنے والوں کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا جو بالآخر تحریک جہاد کی ناکامی پر منتج ہوا۔

ماننا ہوگا کہ نفاذ شریعت ایک عاجلانہ قدم تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ ایک طویل مدت تک اہل سرحد کی دینی اور اخلاقی تربیت کی جاتی اور خود ان کے علما کو اصلاح معاشرہ کے لیے تیار کیا جاتا۔ سکھوں سے محاذ آرائی کے پیش نظر بھی اس معاملے میں محتاط روش درکار تھی۔ لیکن سید صاحب کے مزاج میں جو عجلت تھی، جس پر تفصیلی گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے، اس نے ان کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیا اور ان سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''سید صاحب اور شاہ اسماعیل شہید نے جس علاقہ میں جا کر جہاد کیا اور جہاں اسلامی حکومت قائم کی، اس علاقہ کو اس انقلاب کے لیے پہلے اچھی طرح تیار نہیں کیا تھا۔ ان کا لشکر تو یقیناً بہترین اخلاقی و روحانی تربیت پائے ہوئے لوگوں پر مشتمل تھا۔ مگر یہ لوگ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے جمع ہوئے تھے اور شمالی مغربی ہندوستان میں ان کی حیثیت مہاجرین کی سی تھی۔ اس علاقہ میں سیاسی انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ خود اس علاقہ ہی کی آبادی میں پہلے اخلاقی و ذہنی انقلاب برپا کر دیا جاتا تا کہ مقامی لوگ اسلامی نظام حکومت کو سمجھنے اور اس کے انصار بننے کے قابل ہو جاتے۔ دونوں لیڈر غالباً اس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ سرحد کے لوگ چونکہ مسلمان ہیں اور غیر مسلم اقتدار کے ستائے ہوئے بھی ہیں، اس لیے وہ اسلامی حکومت کا خیر مقدم کریں گے۔ اسی وجہ سے انھوں نے جاتے ہی وہاں جہاد شروع کر دیا اور جتنا ملک قابو میں آیا اس پر اسلامی خلافت قائم کر دی۔ لیکن بالآخر تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ نام کے مسلمانوں کو اصلی مسلمان سمجھنا اور ان سے وہ توقعات رکھنا جو اصلی مسلمانوں ہی سے پوری ہو سکتی ہیں، محض ایک دھوکا تھا۔ وہ لوگ خلافت کا بوجھ سہارنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جب ان پر یہ بوجھ رکھا گیا تو خود بھی گرے اور اس پاکیزہ عمارت کو بھی لے گرے[۱۴]۔''

۱۲؎ سید احمد شہید، ۲۱۷۔ مزید دیکھیے: موج کوثر، ۳۰۔

۱۳؎ موج کوثر، ۳۱۔

۱۴؎ تجدید و احیائے دین، ۵۷۔ مزید دیکھیے: موج کوثر، ۳۱۔

www.javedahmadghamidi.com

مولانا کا یہ تبصرہ بالکل صحیح اور حقائق پر مبنی ہے۔ تحریک جہاد کی ناکامی میں جو داخلی اسباب موثر ثابت ہوئے ان میں اتحاد فکر و عمل کا فقدان، عجلت و بے صبری، شخصیت پرستی اور توکل کا غیر قرآنی تصور جیسے عوامل زیادہ اہم ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

اتحاد فکر و عمل کا فقدان

راقم کے نزدیک تحریک جہاد کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ اس میں اتحاد فکر و عمل کا فقدان ہے۔ ایک طرف سکھ تھے جو ایک ہی لیڈر کے زیر قیادت پوری طرح منظّم تھے اور ان کا ایک ہی مقصد تھا یعنی سکھ ریاست کا استحکام اور اس کی توسیع۔ اس مقصد کے لیے پوری قوم سردھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار تھی۔ دوسری طرف مسلمان تھے جن کا کوئی واحد قائد نہیں تھا۔ سید صاحب کی حیثیت بیعت امامت کے بعد زیادہ سے زیادہ امیر جہاد کی تھی۔ سرحدی قبائل کے سرداروں نے انھیں حاکم ریاست کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا، بلکہ امیر جہاد کی حیثیت کو بھی انھوں نے بجبر و اکراہ قبول کیا تھا۔ خود قبائلی سردار باہم شیر و شکر نہ تھے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ طرفہ ستم یہ کہ سید صاحب کی جماعت بھی پوری طرح متحد نہیں تھی۔ مولوی محبوب علی دہلوی کو سید صاحب کے طرز زندگی پر سخت اعتراض تھا۔ مثلاً یہ کہ ''وہ نفیس لباس پہنتے ہیں، لذیذ کھانا کھاتے ہیں، اس کے برعکس مجاہدین چکیاں چلاتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں اور پاؤ بھر غلہ پاتے ہیں[15]۔''

تحریک جہاد کا مقصد بھی ایک نہ تھا، ہندوستانی مجاہدین بلا شبہ دل سے چاہتے تھے کہ سکھوں کا اقتدار نیست و نابود ہو اور اس کی جگہ مسلم اقتدار قائم ہو۔ اس مقصد کے لیے وہ نذرانہ دل و جاں پیش کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن زیادہ تر سرحدی مسلمان اس نیک جذبے سے خالی تھے۔ ان کے مقاصد دنیوی تھے یعنی حصول مال و زر وغیرہ۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جماعتوں اور قوموں کی نفسیات میں بڑی مشابہت ہے۔ ماضی میں جو غلطیاں بعض افراد یا جماعتوں کی طرف سے صادر ہو چکی ہوتی ہیں انھی غلطیوں کو بعد میں آنے والے لوگ مختلف عوامل کے زیر اثر دہرانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ یہی حادثہ پیش آیا۔ سید صاحب کی تحریک جہاد کی ناکامی کا صحیح جائزہ لینے کے باوجود انھوں نے ٹھیک وہ غلطی کی جو تحریک جہاد کے قائدین سے سرزد ہو چکی تھی، یعنی مسلمانوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے بغیر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی کوشش۔

15؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۲۷۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

''اکوڑے اور بازار کی لڑائیوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ اہل سرحد میں نظم و جمعیت قطعاً موجود نہیں اور نہ ان کے سامنے دینی مقاصد ہیں۔ سید صاحب کا ساتھ دیتے، تو اس لیے نہیں کہ ان بلند اغراض کے لیے جان لڑائیں جن کی خاطر سید صاحب رائے بریلی سے نکل کر سرحد پہنچے تھے۔ محض مال کی خاطر معیت اختیار کرتے۔ جب مال مل جاتا تو رزم و پیکار کی ہر مصلحت سے بے پروا ہو کر گھروں کی راہ لیتے[16]۔''

چنانچہ جنگ شیدو میں، جو سکھوں سے پہلی دوبدو جنگ تھی، مسلمانوں کے جماعتی نقائص کھل کر سامنے آ گئے۔ یار محمد خاں، حاکم پشاور نے غداری کی اور سکھوں سے ساز باز کر کے نہ صرف جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ سید صاحب کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ انجام کار مسلمانوں کو شکست ہوئی اور چھ ہزار غازی شہید ہوئے[17]۔

اس بدترین شکست کے بعد بھی مسلمانوں کے ارباب حل وعقد نے احتساب عمل کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی، بلکہ الٹا ان کی صفوں میں مزید انتشار پیدا ہو گیا اور باہم خوں ریزی شروع ہو گئی جس کا سلسلہ مجاہدین کے قتل عام پر ختم ہوا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ان کو عین حالت نماز میں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا[18]۔ تحریک جہاد کا یہ ایک دردناک باب ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

عجلت و بے صبری

تحریک جہاد کی ناکامی کی دوسری بڑی وجہ امیر جہاد کی عجلت و بے صبری ہے، جو ان کے مزاج میں پختہ ہو چکی تھی۔ یہ خرابی اگر کسی فرد میں ہو تو اس کے لیے سخت مضرت رساں ہے اور اگر کسی جماعت کے امیر میں ہو تو پھر اس جماعت کی تباہی یقینی ہے۔

مورخین کے بیان کے مطابق سید صاحب اپنے رفقا کے ساتھ ہندوستان سے چل کر پہلے کابل پہنچے اور وہاں سے براہ خیبر پشاور میں داخل ہوئے، پھر وہاں سے نوشہرہ پہنچے۔ اس وقت مجاہدین کی کل تعداد پندرہ سو تھی جن میں پانچ سو ہندوستانی تھے[19]۔ ان مجاہدین کی جنگی بے سروسامانی کا حال یہ تھا کہ سب کے پاس بندوقیں بھی نہ تھیں[20]۔ سامان حرب کی

۱۶؎ سید احمد شہید، حصۂ اول، ۳۲۷۔

۱۷؎ سید احمد شہید، حصۂ اول، ۴۰۱۔

۱۸؎ موج کوثر، ۳۲۔

۱۹؎ شیخ محمد اکرام نے مجاہدین کی تعداد پانچ سات ہزار لکھی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دیکھیے: موج کوثر، ۲۵۔

۲۰؎ سید احمد شہید، حصۂ اول، ۳۴۹۔

قلت کے علاوہ مجاہدین دوسری مشکلات سے بھی دوچار تھے۔''سردی کا موسم تھا، برف باری ہو رہی تھی اور ان کے پاس نہ رہنے کو مکان تھے، نہ اوڑھنے کو کپڑے، اس کے علاوہ فاقہ کشی ایک اور جاں گداز مصیبت تھی۔ مجاہدین کے پاس کھانے کو کوئی چیز نہ تھی۔ کئی کئی دن فاقے کرتے یا درختوں کی پتیاں ابال کر بھوک کی آگ بجھاتے۔''[21] ان کے بالمقابل سکھ تھے جن کی تعداد سات سے دس ہزار تک تھی اور وہ پوری طرح مسلح تھے۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں بندوقوں کے علاوہ آٹھ توپیں بھی تھیں۔[22]

اس ناموافق صورت حال کا لازمی تقاضا تھا کہ سید صاحب مجاہدین کی حالت زار کی طرف توجہ کرتے اور اسلامی لشکر کی حربی اور غیر حربی ضرورتوں کو حتی المقدور پورا کرتے، لیکن ان کی عجلت پسند طبیعت نے ان ضروری امور سے صرف نظر کر لیا اور انجام کار جنگ شیدو میں شکست ہوئی جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

یہی عجلت و بے صبری تھی جو بالاکوٹ کی جنگ میں تحریک جہاد کی فیصلہ کن شکست کی ایک بڑی وجہ ثابت ہوئی۔ اس موقع پر لڑائی کی جو اسکیم باہمی مشورہ سے تیار کی گئی وہ یہ تھی کہ ''سکھ مٹی کوٹ سے اتر کر ٹیلے اور قصبے کے درمیان نشیب میں پہنچیں تو ان پر حملہ کیا جائے، اس نشیب میں زیادہ تر شالی کے کھیت تھے، ان میں رات کو پانی چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ زمین دلدل بن کر زیادہ سے زیادہ ناقابل گزر ہو جائے۔ ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بہترین اسکیم تھی۔ اس لیے کہ سکھ جب اوپر سے اتر کر نشیب میں پہنچ جاتے تو پہلے انھیں دلدل سے سابقہ پڑتا۔ اسے عبور کر لیتے تو پھر قصبے کی سمت میں ان کے سامنے چڑھائی تھی۔ دونوں صورتیں ان کے لیے خطرناک تھیں۔ دلدل میں آگے پیچھے یا دائیں بائیں نقل و حرکت مشکل تھی۔ دلدل سے گزر کر چڑھائی میں ان کے سانس پھول جاتے اور تیزی سے پیش قدمی نہ کر سکتے۔ غازی دلدل سے باہر کھڑے کھڑے ان پر گولیاں برسا سکتے تھے، جو سکھ دلدل سے گزر آتے ان پر چڑھائی کے وقت حملہ کر سکتے تھے۔ اسی اسکیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف جماعتوں کو مناسب مقامات پر مورچہ بندی کا حکم دیا گیا۔''[23]

بالاکوٹ کے محل وقوع کے اعتبار سے یہ ایک بہترین دفاعی اسکیم تھی۔ سید صاحب نے شہادت سے گیارہ دن پہلے نواب محمد وزیر خاں، والی ٹونک کو جو خط لکھا وہ ملاحظہ ہو:

''میں پکھلی کے پہاڑوں میں آ گیا ہوں، یہاں کے باشندے حسن اخلاق سے پیش آئے اور کاروبار جہاد میں

---

۲۱ موج کوثر، ۲۶، ۲۷۔

۲۲ سید احمد شہید، حصۂ اول، ۳۴۹۔

۲۳ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۸۵۔

www.javedahmadghamidi.com

اعانت کے پختہ وعدے کیے اور ہمیں قیام کے لیے جگہ دی۔ چنانچہ فی الحال قصبہ بالاکوٹ میں جمعیت خاطر کے ساتھ ٹھیرا ہوں۔ کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلے کی غرض سے تین چار کوس پر ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔ چونکہ یہ مقام (بالاکوٹ) نہایت محفوظ ہے، لشکر خدا کے فضل سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے[۲۴]۔''

لیکن قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ مذکورہ دفاعی اسکیم کی خلاف ورزی کسی عام مجاہد نے نہیں، بلکہ امیر جہاد سید صاحب نے کی۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''اس پر سب کو تعجب ہوا، اس لیے کہ لڑائی کی جو اسکیم پہلے سے طے ہو چکی تھی وہ یہ تھی کہ جب تک سکھ نشیب میں نہ پہنچ جائیں ان پر حملہ نہ کیا جائے۔ وہ ابھی نشیب سے دور تھے کہ خود سید صاحب نے حملہ کر دیا[۲۵]۔''

یہ حملہ نہیں، خود کشی کا ایک عمل تھا۔ سید صاحب نے رات کے وقت بالاکوٹ کے نشیبی حصے میں، جیسا کہ بیان ہوا، پانی چھڑوا دیا تھا تاکہ وہ دلدل ہو جائے اور سکھوں کے لیے پیش قدمی دشوار ہو۔ لیکن اب وہ اپنے ہی دام میں گرفتار ہو گئے۔ خود ان کے اور ان کے ساتھیوں کے پیر کیچڑ میں پھنس گئے۔ لعل محمد جگدیش پوری کا بیان ہے کہ ''سید صاحب اوپر کی مسجد سے نیچے کی چھوٹی مسجد میں تشریف لائے، تھوڑی دیر ٹھیر کر بلہ کیا اور تکبیر کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ جن کھیتوں میں رات کو چشمے کا پانی چھڑوایا تھا ان میں جا پہنچے۔ ایک جگہ مینڈ سے آپ کا پاؤں پھسل کر کیچڑ میں جاتا رہا اور اس پاؤں کا جوتا اسی کیچڑ میں رہ گیا۔ میں نے جلد اس کو کیچڑ سے نکال کر حضرت کے پاؤں میں پہنا دیا۔ آپ تو آگے چلے گئے۔ کچھ دور چل کر میرا ابھی پاؤں پھسل کر کیچڑ میں چلا گیا[۲۶]۔''

اس عاجلانہ اقدام کے نتیجے میں نہ صرف مجاہدین کو شکست فاش ہوئی، بلکہ تحریک جہاد کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ اسی لڑائی میں سید صاحب کے ساتھ سید اسماعیل صاحب نے بھی جام شہادت نوش کیا[۲۷]۔

شخصیت پرستی

تحریک جہاد کی ناکامی کی تیسری اہم وجہ شخصیت پرستی ہے۔ اس تحریک میں سید صاحب کی حیثیت محض امیر جہاد

۲۴؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۷۸۔

۲۵؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۹۴۔

۲۶؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۹۷۔

۲۷؎ بالاکوٹ کے حادثۂ فاجعہ سے ثابت ہو گیا کہ زہد و تقویٰ، جواں مردی اور خیر خواہی امت جیسے اوصاف کے باوجود سید صاحب کے اندر فوجی قیادت کی صلاحیت کی بے حد کمی تھی۔ ان کے مقابلے میں سید اسماعیل شہید کے اندر یہ وصف بدرجۂ اتم

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کی نہ تھی، بلکہ وہ شیخ طریقت یعنی مجاہدین کے پیرومرشد بھی تھے۔ان کی نظروں میں تحریک جہاد اور سید صاحب لازم و ملزوم تھے۔ان کی ذات سے ہٹ کر تحریک جہاد کا کوئی تصور ان کے ذہنوں میں نہ تھا۔ چنانچہ جس وقت بالاکوٹ کی جنگ میں یہ خبر پھیلی کہ سید صاحب شہید ہو گئے ہیں تو مجاہدین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور انھوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔سید جعفر علی نقوی لکھتے ہیں:

''دوران جنگ میں سید صاحب کی گم شدگی کی خبر سن کر جاں نثار ارادت مندوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا اور بے قرار ہو کر آپ کی تلاش میں سو بہ سو پھرنے لگے۔سکھوں کی گولیاں جو شربت شہادت سے لبریز تھیں، کھا کھا کر رحمت الٰہی کی آغوش میں پہنچتے رہے[۲۸]۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''میں اور منشی محمد انصاری پاس پاس کھڑے لڑ رہے تھے۔اچانک قاضی علاء الدین لڑائی سے دست کش ہو کر حضرت کا حال پوچھتے ہوئے آئے، منشی انصاری نے بھی لڑنا چھوڑ دیا اور حضرت کی تلاش میں بائیں جانب چلے گئے۔اسی حالت میں یہ دونوں بزرگ گولیاں کھا کر شہید ہو گئے[۲۹]۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اسلام میں اصل اہمیت خدا کے دین اور اس کے قیام و استحکام کو حاصل ہے نہ کہ کسی فرد اور جماعت سے اندھی جذباتی وابستگی۔لیکن آپ نے دیکھا کہ مجاہدین کا لشکر بہت سی خوبیوں کے باوجود اس معاملے میں نقطۂ اعتدال سے ہٹا ہوا تھا۔

یہ ٹھیک وہی غلطی تھی جس کا صدور دور رسالت میں جنگ احد کے موقع پر ہوا۔دوران جنگ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ خبر سن کر صحابہ دل شکستہ ہو گئے اور ان کی ایک جماعت لڑائی سے دست کش ہو گئی۔قرآن میں صحابہ کو ان کی اس غلطی پر متنبہ کیا گیا ہے:''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔تو کیا اگر وہ وفات پا گئے یا قتل کر دیے گئے تو تم پیٹھ پیچھے پھر جاؤ گے۔جو پیٹھ پیچھے پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ شاکروں کو ضرور بدلہ دے گا۔'' (سورۂ آل عمران ۳: ۱۴۴) لیکن مجاہدین نے قرآن کی اس تنبیہ پر کوئی توجہ نہ دی۔

موجود تھا اور مختلف مواقع جنگ پر اس کا مظاہرہ بھی ہوا۔اگر اسلامی لشکر کی زمام انتظام ان کے ہاتھ میں ہوتی تو عجب نہیں کہ جنگ بالاکوٹ کا نقشہ کچھ دوسرا ہوتا۔

۲۸ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۴۱۷۔

۲۹ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۴۲۳۔

توکل کا غیر قرآنی تصور

تحریک کی ناکامی کا چوتھا اہم سبب توکل کا غیر قرآنی تصور ہے۔ صوفیا کی جماعت نے اس معاملے میں ہر دور میں بے اعتدالی کا مظاہرہ کیا ہے۔[۳۰] قرآن مجید میں صاف لفظوں میں توکل اور تدبیر کے التزام کی تلقین کی گئی ہے۔ عین حالت جنگ میں صحابہ کو نماز با جماعت کی ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اسلحے لیے رہیں کہ مبادا کفار ان کو غافل پا کر حملہ کر دیں۔ (سورۂ نساء۴: ۱۰۲) تدبیر اور توکل میں جو لطیف ربط ہے اس کا ذکر قرآن مجید کی ایک دوسری سورہ میں اس طرح ہوا ہے:

> ''اور اس نے کہا، تم سب ایک ہی دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا، بلکہ متفرق دروازوں سے جانا۔ میں اللہ کے فیصلہ کے مقابلے میں تمھارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ فیصلہ کرنا بس اللہ کا کام ہے (اس ظاہری تدبیر کے باوجود) میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور بھروسا کرنے والوں کو اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔'' (سورۂ یوسف۱۲: ۶۷)

اس آیت کے مطابق اللہ کے ایک پیغمبر یعنی یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب وہ غلہ لینے کے لیے مصر میں داخل ہوں تو کس تدبیر سے داخل ہوں، لیکن اس تعلیم کے فوراً بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس تدبیر سے تم یہ نہ سمجھ لینا کہ میں اللہ کے کسی فیصلہ کو ٹال سکتا ہوں۔ انسان صرف تدبیر کا مکلّف ہے، فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس خوب صورتی سے اللہ کے اس پیغمبر نے تدبیر اور توکل کے باہمی ربط کی وضاحت کی ہے اس سے بہتر اس کی وضاحت ممکن نہیں ہے۔[۳۱]

مقام حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اس تعلیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں سید صاحب نے بالاکوٹ کی جنگ میں تدبیر سے بے اعتنائی دکھائی۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر سید صاحب چاہتے تو بالاکوٹ میں سکھوں کے نرغے سے بچ کر نکل سکتے تھے۔ مثلاً وہ پہاڑوں پر چلے جاتے۔ بعض مخلصوں نے، جن میں ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں قابل ذکر ہیں، اس کا مشورہ بھی دیا۔[۳۲] یہ بھی ممکن تھا کہ پل پر سے گزر کر مشرقی کنارے پر

۳۰؎ توحید کا قرآنی تصور، الطاف احمد اعظمی، مطبوعہ دہلی ۱۹۹۰ء، ۱۶۵۔ ۱۶۸، مزید دیکھیے: راقم ہی کی کتاب: وحدۃ الوجود، ایک غیر اسلامی نظریہ، باب اول۔

۳۱؎ توحید کا قرآنی تصور، ۱۷۵، ۱۷۸۔

۳۲؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۸۱۔

ناصر خاں نے سید صاحب کو مشورہ دیا کہ پیچھے پہاڑ پر چلا جانا بہتر ہے۔ اس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا ''خان بھائی! آپ کہتے تو سچ ہیں، لیکن اب کفار کے ساتھ یہیں لڑیں گے۔'' (سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۸۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

چلے جاتے یا وادی کاغان میں جا ٹھہرتے، جہاں کے سادات حمایت کے لیے تیار تھے۔[۳۳] لیکن سید صاحب نے ان تمام مواقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور خود کو مع لشکر دیدہ و دانستہ ہلاکت میں ڈالا۔ سوال یہ ہے کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس سوال کا جواب ان کے ایک معتقد کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:

> ''بالاکوٹ آتے وقت پہاڑ پر ٹھہر گئے تھے اور رات کے وقت دیر تک درختوں کے جھنڈ میں رہے تھے تو اسی وقت سے طبیعت میں ایک غیر معمولی تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ تدابیر پر بہت کم توجہ دیتے تھے، زیادہ تر تقدیر پر توکل و اعتماد کے کلمات زبان پر جاری رہتے تھے۔''[۳۴]

اس جواب سے توکل اور تدبیر کی بے ربطی صاف ظاہر ہے، اور یہ خیال قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ کوئی فرد، خواہ وہ کتنا ہی متقی ہو، خدا کی سنت کی خلاف ورزی کر کے اس کے نتائج سے نہیں بچ سکتا ہے اور سید صاحب کو بھی یہ جرعۂ تلخ پینا پڑا۔ چونکہ سید صاحب امیر جہاد تھے، اس لیے ان کی بے تدبیری کے نتائج بد سے مجاہدین کی جماعت کو بھی دوچار ہونا پڑا۔

متذکرہ بالا اسباب و حقائق کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو تحریک جہاد کی ناکامی پر کوئی تعجب نہ ہو گا۔ اگر نتیجہ اس کے برعکس نکلتا تو اس کو معجزہ ہی کہا جاتا۔ خدا کی اس دنیا میں، جو حکیمانہ سلسلۂ اسباب سے مربوط ہے، ضروری اسباب و تدابیر سے چشم پوشی کر کے کامیابی کی امید رکھنا دراصل زمین شور سے روئیدگی کی توقع رکھنے کے مترادف ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۳۳؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۸۳۔

۳۴؎ سید احمد شہید، حصۂ دوم، ۳۸۳۔